اصول الفقہ ،،کے ما بین اضافت کی تشریح

جناب ڈاکٹر فاروق حسن

اصول الفقہ کے مابین ''اضافت،،کی مختصر تشریح:

یہ ایک ظاہری جزء ہے جو مضاف اور مضاف الیہ کے مابین نسبت سے عبارت ہے۔کیونکہ جب تک مضاف اور مضاف الیہ میں اضافت نہیں ہوگی ان کو باہمی طور پر مربوط کر کے مطلوبہ معنی حاصل نہیں کئے جاسکتے۔

اضافت اختصاص کا فائدہ دیتی ہے۔اگر مضاف اسم جامد ہوتو اختصاص مطلق کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔مثلا ''حجر زید،،اور اگر مضاف اسم مشتق ہوتو مضاف کا مضاف الیہ کے ساتھ مشتق کے معنی میں اضافیت کے ساتھ اختصاص کا فائدہ ہوتا ہے،جیسے''غلام زید ،،میں غلام کو غلامیت کے معنی میں ''زید،، کے ساتھ اختصاص کا فائدہ ہوا۔

مذکورہ بالا تعریفات کا تحقیقی تجزیہ:

فقہ کی تعریف میں معرفین کہیں احکام کو عملیہ کے وصف کے ساتھ متصف کرتے ہیں اور کہیں فرعیہ وفروعیہ کے ساتھ یہ سب درست ہیں۔عملیہ اس لئے کہ وہ احکام مکلفین کے اعمال سے متعلق ہوتے ہیں اور فرعیہ اس لئے کہ وہ ان احکام فقہیہ سے متفرع ہوتے ہیں جو اپنی صحت میں اللہ اور اس کی صفات اور اس کے رسول کے لائے ہوئے احکام کے سچ ہونے کے اعتقاد پر موقوف ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے احکام شرعیہ فرعیہ کے استنباط تک توصل حاصل ہوتا ہے۔

موسوعہ جمال ناصر میں ''الفقہ عند الاصولیین ،،کے تحت جو بحث کی گئی ہے اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:''جو کچھ وحی الہی سے رسالت مآب ﷺ پر قرآن وسنت میں احکام عملیہ کے بارے میں نازل

ہوا کبھی ان احکام عملیہ کی دلیل قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہوتی ہے،اس قسم میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔اس کی صورتوں میں سے ایک صورت تو وہ ہے جو ضروری اور شعائر اسلام سے متعلق ہے۔مثلاً نماز، زکواۃ، روزہ وحج کا وجوب وغیرہ اور دوسری صورت نظری ہے۔اس کا حکم بھی نص کی طرح قطعی ہوگا وہ اجماع ہے۔اگر کسی بارے میں اجماع ہو جائے تو وہ قطعی الثبوت ہے۔کبھی احکام عملیہ کی دلیل ''قطعی الثبوت ظنی الدلالة ،،ہوتی ہے۔کبھی ''ظنی الثبوت قطعی الدلالة،،اور کبھی ظنی الثبوت ظنی الدلالة ہوتی ہے:ان میں سے آخر الذکر'تین میں اجتہاد ہوسکتا ہے اور ان سے مستنبط احکام ''ظنی ،،اور''اجتہادی ،، ہوں گے۔مثال کے طور پر قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ پیش کی جاسکتی ہے: ''وامسحوا برؤسکم ،،[۱](اور اپنے سر کا مسح کرو)۔یہ آیت (دلیل) مسح اور اس کے وجوب کے بارے میں ''قطعی الثبوت وقطعی الدلالة،،ہے اور مسح راس کا حکم قطعی ہے۔لیکن مسح راس کی مقدار کل یا ربع یا بعض کے بارے میں اس کی دلالت ظنیہ ہے اور کسی بھی مقدار کو اختیار کرنا ظنی اور اجتہادی ہوگا،،۔

اصولیین نے فقہ کے اصطلاحی معنی میں اس کے اسمی معنی کے بجائے وصفی کا اعتبار کیا ہے یعنی مسائل واحکام کی معرفت کے بجائے استخراج، تفہیم اور استنباط کو لازم قرار دیا ہے اور پھر متقدمین اصولیین نے بالعموم اور متاخرین نے بالخصوص فقہ کی اصطلاحی تعریف میں وصفی معنی پر خوب بحث کی۔مختلف ادوار میں مختلف الفاظ کے ساتھ تعریفات کی گئیں، آنے والوں نے کبھی سابقین سے منقول تعریفات کی کبھی تائید،تنقید وحذف و اضافہ کیا تو کبھی خود ہی کوئی نئی تعریف کر ڈالی۔

سابقین سے منقول تعریفات کے اسالیب کی درجہ بندی:

سابقین سے منقولہ تمام تعریفات مندرجہ ذیل تین اسالیب میں سے کسی نہ کسی ایک طرز پر ضرور مبنی ہوتی ہیں

۔

پہلا طریقہ: یہ جمہور اصولیین کا طریقہ ہے۔اس کے مطابق فقہ کی تعریف ابو الاسحاق شیرازی شافعی (متوفی ۴۷۶ھ) کے اسلوب پر مبنی ہے جسے انہوں نے اپنی کتاب ''اللمع،،میں اختیار کیا۔ان کے مطابق

تعریف یہ ہے:''ان الفقه معرفة الاحكام الشرعية التی طريقها الاجتهاد،،(فقہ احکام شرعیہ کی معرفت کا نام ہے جو اجتہاد سے حاصل ہوتی ہے)۔دوسروں نے بھی اسی مفہوم کو پیش کرتے ہوئے فقہ کی یہ تعریف کی:''انه العلم بالاحكام الشرعيه العملية بالاستدلال،،بعض بالاستدلال کے بجائے''من ادلتها التفصيلية،،کہہ دیتے ہیں تو اس تعریف کے مطابق ذوات وصفات کا علم فقہ نہیں ہے،کیونکہ وہ احکام کا علم نہیں ہے اور احکام عقلیہ،حسیہ،وضعیہ مثلاً حساب،ہندسہ،موسیقی اور نحو وصرف کے احکام کے علم کو فقہ نہیں کہہ سکتے،کیونکہ ان کے احکام شرعی نہیں ہیں۔اسی طرح اصول دین اور اصول فقہ کے احکام کے علم کو بھی فقہ نہیں کہہ سکتے،کیونکہ ان کے احکام شرعیہ علمیہ ہیں،عملیہ نہیں اور استدلال کی قید سے علم جبریل علیہ السلام،علم رسول اللہ ﷺ اور علم مقلد وغیرہ نکل گئے۔عورتوں،بچوں اور عوام کو صلاۃ وصوم وغیرہ کے وجوب کا جو علم حاصل ہوتا ہے وہ بغیر استدلال کے ہوتا ہے۔اس لئے وہ بھی فقہ کی تعریف میں داخل نہیں اس اعتبار سے فقہ علم اجتہادی کا نام ہوا اور فقیہ مجتہد کہلاتا ہے۔

دوسرا طریقہ:یہ وہ طریقہ ہے جس کو صدر الشریعہ حنفی نے اصول بزدوی میں منقول تعریف سے کچھ تصرف کے ساتھ تنقیح میں بیان کیا اور ان الفاظ کے ساتھ فقہ کی تعریف کی:**الفقه بانه العلم بكل الاحكام الشرعيه العمليه التی قد ظهر نزول الوحی بها والتی انعقد الاجماع عليها من ادلتها مع الملكة الاستنباط الصحيح منها،،**اس تعریف کے مطابق فقہ کا معنی اس وقت ثابت ہوگا جب احکام شرعیہ عملیہ کا علم بلاواسطہ اس کے ادلہ سے حاصل ہو،چاہے ادلہ قطعیہ ہوں یا ظنیہ۔

پہلے اور دوسرے اسلوب کی تعریفات میں فرق:پہلے اور دوسرے طریقہ میں فرق یہ ہے کہ دوسرے طریقہ میں پہلے کی طرح علم کے حصول میں استدلال یعنی اجتہاد کی شرط نہیں رکھی گئی بلکہ صدر الشریعہ کے یہاں استنباط صحیح کا ملکہ ہونا ضروری ہے۔اب اس طریقہ کے مطابق فقیہ وہ ہے جس میں اجتہاد کی اہلیت ہو،اگرچہ اس سے اجتہاد کا وقوع نہ ہوا ہو۔

تیسرا طریقہ:یہ وہ طریقہ جس کو صرف ابن الہمام حنفی(متوفی ۸۶۱ھ)نے اپنی کتاب''التحریر،،میں اختیار کیا ان کے مطابق احکام شرعیہ کے صرف قطعی علم کا نام فقہ ہے اور احکام مظنونہ کے علم کو فقہ نہیں کہہ سکتے۔

كل شيء يرجع الی اصله...... ہر کسی کو دور ماند از اصل خویش...... باز جوید روزگار وصل خویش

تینوں اسالیب کی تعریفات کا فرق: تینوں اسالیب کے مطابق جو تعریفات کی درجہ بندی کی گئی ہے اس کا فرق اس طرح واضح کیا جا سکتا ہے:

(۱) پہلے گروہ کے اصولیین نے ظنیات کے علم کو فقہ کہا۔

(۲) آخری گروہ نے کہا کہ فقہ کے علم کا اطلاق قطعیات پر ہوتا ہے۔

(۳) جبکہ دوسرے درمیانی گروہ کے مطابق فقہ شریعت کے قطعی وظنی دونوں طرح کے احکام کے علم کو شامل ہے۔

علامہ ابن عابدین نے ردالمختار میں شرح التحریر سے نقل کیا کہ ایک سے زائد متاخرین نے اس عموم کو اختیار کیا ہے کیونکہ یہی حق ہے۔اوراس پر سلف وخلف کا عمل ہے مگر شارح نے سلف وخلف کے اس پر عمل ہونے کا جو دعوی کیا اس کی واقع میں تصدیق نہیں کی جا سکتی۔[۲]

فقہ کی مجموعی تعریفات کی تاریخی ارتقائی تناظر میں مرحلہ وار درجہ بندی......

فقہ کی تعریف میں جو تبدیلیاں آتی رہیں اور مختلف ادوار میں اس کی وسعت سے تنگی کی جانب رجحان کے سلسلہ کو تین تاریخی وارتقائی مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا مرحلہ: یہ وہ ابتدائی زمانہ ہے جب فقہ شرع کا مترادف سمجھا جاتا تھا اور ہر اس شئی کی معرفت فقہ کی تعریف میں شامل تھی جسے اللہ تعالی نے نازل فرمایا، خواہ اس کا تعلق عقیدہ، اخلاق یا جوارح کے افعال سے تھا۔امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تعریف ''معرفة النفس مالها وماعليها،، میں اسی وسعت کو مدنظر رکھا۔ان کی علم العقائد پر کتاب ''الفقه الاكبر،، کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے کہ ان کے نزدیک فقہ تین اقسام پر مشتمل ہوگی، پہلی قسم ''الفقه الاكبر،، ہے۔جو اعتقادات سے متعلق ہوگی کیونکہ اگر اعتقاد صحیح نہ ہوں تو بدنی اعمال رائیگاں چلے جاتے ہیں۔دوسری قسم ''الفقه الاوسط،، ہے جس کا قلبی خلوص ونیت سے تعلق ہے کیونکہ جیسی نیت ہوگی ویسا ہی عمل کا ثمرہ ہوگا۔تیسری قسم ''الفقه الاصغر،، ہے جو ظاہری اعضاء کے اعمال مثلا رکوع، سجود وغیرہ سے متعلق ہے کیونکہ جب تک ان کا علم اور ان کی درستگی نہیں ہوگی، اعمال صحیح نہیں ہوں گے۔

کم عاقل عاقل اعیت مذاهبه ......☆......وجاهل جاهل تلقاه مرزوقا

دوسرا مرحلہ: یہ وہ زمانہ ہے جس میں فقہ کی تعریف میں پائی جانے والی وسعت میں کچھ تخصیص پیدا ہوگئی۔ علم العقائد کی علیحدہ فن کی حیثیت سے بنیاد پڑ گئی اور اسے علم العقائد، علم التوحید، علم الکلام اور علم اصول الدین کے ناموں سے موسوم کیا جانے لگا تو فقہ سے یہ علم خارج ہوگیا۔ اس دور میں فقہ کی تعریف اس طرح کی جانے لگی۔

العلم بالاحکام الفرعیۃ الشرعیۃ المستمدۃ من الادلۃ التفصیلیۃ .

اس تعریف میں ماسوی الاصلیہ، سب فرعیہ ہیں۔ یعنی جو عقائد کے علاوہ ہیں وہ سب فرعیہ ہیں کیونکہ عقیدہ شریعت کی اصل ہے اور ہر شئی کی درستگی کا انحصار اسی کی درستگی پر ہے۔ یہ تعریف احکام شرعیہ عملیہ یعنی وہ جو جوارح کے ذریعہ انجام دیئے جاتے ہیں کو اور احکام شرعیہ قلبیہ مثلاً ریا، کبر، حسد، عجب کے حرام ہونے اور تواضع، دوسروں کی بھلائی کے حلال ہونے کو بھی شامل تھی۔

تیسرا مرحلہ: اس دور میں کی گئی تعریفات میں مزید تخصیص پیدا کردی گئی اور آج تک اسی تخصیص پر عمل جاری وساری ہے۔ اور اب اس طرح تعریف کی جانے لگی:

الفقہ ھو العلم بالاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ العملیۃ المستمدۃ من الادلۃ التفصیلیۃ ،، ۳۔

اس کے نتیجے میں احکام شرعیہ فرعیہ جن کا تعلق دل سے تھا وہ الگ ہوگئے۔ اور ان کا نام علم تصوف یا علم اخلاق پڑ گیا۔

اصول فقہ کے لغوی معنیٰ اوران کا تحقیقی تجزیہ: اہل علم، اصول فقہ اور ان کی طرح کے علوم مثلاً فقہ وغیرہ کا اطلاق کبھی ان مسائل کلیہ پر کرتے ہیں جس میں اس کے موضوع کے احوال سے بحث کی جاتی ہے۔ اور کبھی ان کا اطلاق ان کے قواعد کے ادراک یعنی معرفت وتصدیق اور کبھی ان قواعد کے مزاولہ اور کثرت غور وغوض سے حاصل ہونے والے ملکہ استحضار پر کرتے ہیں۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ کسی بھی علم کی تعریف مذکورہ تین معانی میں سے کسی ایک کے مطابق کی جاتی ہے مگر اصول فقہ واحد علم ہے جس کی تینوں معانی کے مطابق تعریف کی گئی ہے۔ اس کی دلائل سے وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

امام فخر الدین رازی شافعی (متوفی ۶۰۶ھ) نے اصول فقہ کی یہ تعریف بیان کی:

اصول الفقه عبارة عن:مجموع طرق الفقه على سبيل الاجمال و كيفية الاستدلال بها و كيفية حال المستدل بها۴

سیف الدین الآمدی شافعی (متوفی ۶۳۱ھ) نے یہ تعریف کی:

اصول الفقه :هی ادلة الفقه وجهات دلالاتها على الاحكام الشرعية ،و كيفية حال المستدل بها،من جهةالجملة لامن جهة التفصيل ۵

(تجزیہ): مذکورہ بالا دونوں تعریفیں پہلے معنی کے مطابق ہیں۔

ابن حاجب مالکی (متوفی ۶۴۶ھ) نے ان الفاظ کے ساتھ تعریف کی:

اما حده لقبا:فالعلم بالقواعد التي يتوصل بهاالى استنباط الاحكام الشرعية الفرعية من ادلتها التفصيلية ۶

(اصول فقہ ان قواعد کے جاننے کا نام ہے جن سے احکام شرعیہ فرعیہ کا دلائل سے استنباط کرنا حاصل ہو)۔

قاضی بیضاوی شافعی (متوفی ۶۸۵ھ) نے ان الفاظ کے ساتھ تعریف کی:

اصول الفقه :معرفةدلائل الفقه اجمالا و كيفية الاستفادةمنها وحال المستفيد۔۷

(اصول فقہ، فقہ کے اجمالی دلائل اوران سے استفادہ کی کیفیت اور مستفید (مجتہد) کے حال کی معرفت کا نام ہے)

ابن حاجب اور قاضی بیضاوی کی تعریفات کا تجزیہ: ابن حاجب اور قاضی بیضاوی کی تعریفیں دوسرے اور تیسرے معنی کے مطابق کی گئی ہیں اوراس کی دلیل یہ ہے کہ ابن حاجب کی تعریف میں علم اور بیضاوی کی تعریف میں معرفت کے الفاظ ہیں۔دونوں کا اطلاق تصدیق اوراس ملکہ پر ہوتا ہے جس کا اس معنی میں ذکر کیا گیا ہے۔

اصول فقہ کی تعریف میں اختلاف کی وجہ: اصول فقہ کے لقبی معنی میں اختلاف اس لئے نظر آتا ہے کہ مختلف اصولیین کے پیش نظر مذکورہ معانی میں سے کوئی نہ کوئی معنی رہتا تو اس کی روشنی میں وہ تعریفی کلمات کا انتخاب کرتے تو وہ خودبخود دوسرے معنی کے لحاظ سے کی گئی تعریف سے مختلف ہوجاتی اوران کے

نزدیک الفاظ کی یکسانیت سے زیادہ وہ معانی اہم ہوتے جس سے مقصد کا صحیح طور پر اظہار ہوسکتا تھا اسی لئے ایک ہی معنی کی مختلف تعریفات میں بھی الفاظ کے چناؤ میں فرق نظر آتا ہے۔بہرحال تعریفات میں اختلاف کے باوجود وہ اپنی اپنی جگہ درست تھیں اور معرفیین کی نیت پر کسی قسم کا شک نہیں کیا جاسکتا اور وہ سب قابل احترام ہیں۔

اصول فقہ کے لقبی معنی پر اکتفا کرنے کا سبب: کتب اصول کے فقہ کے مطالعہ کے دوران یہ نظر آتا ہے کہ بعض اصولیین نے اپنی کتب میں اصول فقہ کے لقبی معنی تو ذکر کیے مگر اس کے اضافی معنی نہیں بتائے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ جن اصولیین کے پیش نظر اختصار تھا انہوں نے طوالت سے بچنے کے لئے صرف لقبی معنی بتانے پر اکتفا کیا اور اضافی معنی اور ہر جزء کی تفصیلات نہیں بتائیں۔قاضی بیضاوی ان میں سے ہیں جن کے پیش نظر اختصار تھا جبکہ دوسری طرف جن اصولیین کا مقصد تفصیل سے بیان کرنا تھا، توانہوں نے اضافت کے اعتبار سے بھی تعریف کی اور مضاف، مضاف الیہ اور اضافت کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا اور کسی نے صرف مضاف اور مضاف الیہ کو ذکر کیا مگر شہرت کی بناء پر اضافت کو بیان نہیں کیا۔جیسے صدرالشریعہ نے التنقیح والتوضیح میں ایسا ہی کیا۔۔۔۔۔لہذا دونوں طرح کے معرفین ومؤلفین کا یہ طرز عمل درست قرار پایا اور وہ مصیب ٹھہرے۔

اصول فقہ کے لقبی واضافی معنی کے فرق پر ایک طائرانہ نظر......اصول فقہ کے لقبی واضافی معنی میں دو طرح سے فرق کیا جاسکتا ہے۔

فرق (۱): لقبی تعریف اس علم کا لقب وعلم ہے جبکہ اضافی معنی موصل الی العلم ہیں۔

فرق (۲): لقبی تعریف کے تین لازمی اجزاء ہوتے ہیں۔

(۱) دلائل کی معرفت (۲) استفادہ کی کیفیت (۳) مستفید (مجتہد) کا حال جبکہ اضافی تعریف دلائل [illegible] کا نام ہے۔

قاضی بیضاوی شافعی (متوفی ۶۸۵ھ) سے منقول لقبی تعریف اور اس کی تشریح:

ہم نے اصول فقہ کی کئی تعریفیں نقل کی ہیں۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تعریفات اصول فقہ کی کتابوں

میں مذکور ہیں۔سب اپنی اپنی جگہ درست ہیں اگرچہ تقریبا ہرنئی تعریف کرنے والے کے ذہن میں سابقین کی تعریف میں کچھ کمی رہ جانے کا تصور رہتا تھا اس لئے وہ ایک نئی تعریف کردیتے۔اس عمل سے اس فن کو نئی تازگی وتوانائی ملتی رہی اور مختلف جہتوں سے اس پر غور وخوض اور تعبیر وتشریح کے عمل نے اس کے پوشیدہ پہلوؤں کو نمایاں کردیا۔اس طرح تعریفیں بھی ارتقائی مراحل سے گزرتی رہیں ان سب پر یہاں تفصیلی کلام مشکل ہے۔ہم نے قاضی بیضاوی شافعی (متوفی ۶۸۵ھ) سے منقول اصول فقہ کی لقبی تعریف کوشہرت کی بناء پر تشریح کے لئے منتخب کیا ہے۔اوردوسری وجہ یہ تھی کہ یہ صدر اول اور پندرھویں صدی کے درمیانی زمانے کے اصولی ہیں یعنی انہوں نے نویں صدی ہجری کے آخری زمانے میں وفات پائی اور وہ شاید امام رازی (متوفی ۶۰۶ھ)،سیف الدین امدی شافعی (متوفی ۶۳۱ھ) اور ابن حاجب مالکی (متوفی ۶۴۶ھ) وغیرہ سے منقول تعریفات کو دیکھ چکے ہوں گے اور پھر اس طرح کی تعریف کی۔

قاضی بیضاوی نے اصول فقہ کی لقبی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"اصول الفقه معرفة دلائل الفقه اجمالا و کیفیة الاستفادة منها وحال المستفید"۔

(اصول فقہ،فقہ کے اجمالی دلائل اوران سے استفادہ کی کیفیت اور مستفید کے حال کی معرفت کا نام ہے

تعریف کی تشریح:

قولہ "معرفۃ"........تعریف میں جنس ہے جوادلہ،احکام اوران کے علاوہ کی معرفت سب کو شامل ہے۔اس میں کثیر معرفت ہے اوروہ جب مفرد کے ساتھ متعلق ہوتی ہے تو متعدی بیک مفعول ہوتی ہے اوراس کا معنی تصور ہوتا ہے جیسے جب "عرفت محمدا"، بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے "تصورته"،(میں نے اس (محمد) کا تصور کیا) اور لفظ علم زیادہ تر تعلق کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور متعدی بدو مفعول ہوتا ہے تو اس صورت میں اس کا معنی تصدیق ہوتا ہے۔مثلا جب کہا جاتا ہے "علمت ان الله واحد"،تو مطلب ہوتا ہے "صدقت بوحدانیته"،(میں نے اس کی وحدانیت کی تصدیق کی)۔کبھی معرفت تعلق کے ساتھ متعدی بدو مفعول ہوگی تو اس وقت اس کا معنی بھی تصدیق ہوگا۔مثلا جب کہا جاتا ہے "عرفت ان الله واحد"،تو مطلب ہوتا ہے صدقت (میں نے تصدیق کی) اور کبھی علم مفرد کے

ساتھ متعلق ہوتا ہے تو اس وقت اس کا معنی تصور ہوگا جب ”علمت محمدا،، بولا جاتا ہے تو اس کا معنی ”تصورته،،ہوتا ہے۔

علم ومعرفت میں سے جب کسی کی بھی نسبت حادث کی طرف کی جاتی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ شئی سابق میں مجہول (نامعلوم) تھی مگر جب ان میں سے کسی کی بھی نسبت اللہ رب العزت کی طرف جائے گی تو اس کا معنی یہ نہیں ہوگا کہ شئی سابق میں مجہول تھی۔مثلا عام حالات میں جب ”محمد عرف المسالة اوعلمھا،، (محمد کو مسئلہ کا علم یا معرفت حاصل ہوئی) تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں علم یا معرفت پہلے نہ تھی پھر ہوگئی۔کیونکہ جب بھی حادث کے ساتھ نسبت ہوگی تو یہی معنی ہوگا۔اس بات کی تائید اللہ تعالی کے اس قول سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم لاتعلمون شیئا،،٨

(اور اللہ تعالی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے)

مگر جب کسی نے کہا: ”اللہ عالم بکذا،، یا عارف بہ،، تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اسے پہلے سے اس کے بارے میں علم یا معرفت نہ تھی اب ہوئی۔کیونکہ اللہ رب العزت کا جمیع اشیاء سے متعلق علم ازلی ہے۔عالم کا اطلاق اللہ سبحانہ وتعالی پر کیا جاتا ہے مگر عارف کا نہیں،باوجود اس کے کہ ”عارف اللہ،، کے کہنے کا مطلب بھی ”عالم،، ہوتا ہے۔یعنی ہمیشہ سے جاننے والا چونکہ اللہ تعالی کے اسماء توقیفی ہیں اس لئے عالم ہی بولا جائے گا۔

قاضی بیضاوی نے اپنی اس تعریف میں علم کے بجائے معرفت کو کیوں منتخب کیا؟

شاید انہوں نے اپنی اس تعریف میں علم کے بجائے معرفت کو اس لئے پسند کیا کہ مسائل اصلیہ دو قسم پر ہیں:

(ا) وہ جن سے ذات باری تعالی کا قصد ہوتا ہے جیسے علم کلام کے مسائل۔اور یہ اس بات کو واجب کرتا ہے کہ دلیل قطعی ہو تو اس طرح تصدیق ظنی نہیں بلکہ قطعی ہو جائے گی۔

وقت محنت می بری زاللہ بو	چونکہ محنت رفت گوئی راہ کو

(۲) وہ جو مسائل علمیہ کے لئے وسیلہ ہوتے ہیں جیسے علم اصول کے مسائل، تو یہاں تصدیق عام ہوگی خواہ ظنی ہو یا قطعی۔ چونکہ قاضی بیضاوی کے یہاں علم کا اطلاق صرف قطعیات پر ہوتا ہے اور لفظ معرفت کا اطلاق تصدیق پر ہے جو قطعیات وظنیات دونوں کو شامل ہے اس لئے انہوں نے مسائل اصولیہ کے لئے لفظ معرفت کا اسی مناسبت سے استعمال کیا، کیونکہ ان کے یہاں ان مسائل اصولیہ کا قطعی ہونا شرط نہیں ہے۔ مگر جن حضرات نے مسائل اصولیہ کو قطعیات میں شمار کیا انہوں نے لفظ ''العلم،، کے ساتھ تعبیر کو درست جانا۔ واضح رہے کہ یہاں معرفت سے مطلق ادراک مراد ہے جو تصور وتصدیق دونوں کو شامل ہے۔ لیکن جب اس معرفت کی اضافت دلائل کی طرف کردی اور ان سے مراد مسائل اصولیہ اور قواعد کلیہ ہیں تو تصور خارج ہوگیا، کیونکہ معرفت مفرد کے ساتھ متعلق نہیں ہوتی بلکہ وہ نسبت کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔

قولہ ''دلائل،،.......... دلائل جمع ہے اور اس کی واحد دلیل ہے لغت میں اس کے یہ معنی مذکور ہیں: ''یطلق علی مایستدل بہ،،۹ (جس کے ذریعے استدلال کیا جاسکے) اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں:

''مایمکن التوصل بصحیح النظر فیہ الی مطلوب خبری،،۱۰

(جس سے مطلوب خبری کی طرف صحیح فکر سے توصل ممکن ہو)

اس تعریف سے ظاہر ہوا کہ دلیل جو قطعیت کا فائدہ دے قطعی ہوگی اور جو ظن کا فائدہ دے ظنی ہوگی۔ پہلی بات کی مثال یہ ہے کہ عالم کے حادث ہونے کی دلالت پر ہم کہیں: العالم مغیر وکل متغیر حادث فالنتیجۃ: العالم حادث اور دوسری بات کی مثال یہ ہے جیسے بھرے ہوئے بادل دیکھ کر یہ ظن کرلینا کہ بارش ہوجائے گی۔

امام اسنوی شافعی (متوفی ۷۷۲ھ) نے فرمایا:

''اعلم ان التعبیر بالادلة مخرج لکثیر من اصول الفقه کالعمومات واخبار الاحاد والقیاس والاستصحاب وغیر ذلک ،فان الاصولیین وان سلموا العمل بها،فلیست عندهم ادلة للفقه بل امارات فان الدلیل عندهم لایطلق الاعلی المقطوع به ،،۱۱

عاشقاں راشد مدرس حسن دوست	دفتر و درس وسبق شاں روئے اوست

(جان لو کہ ادلہ کے ساتھ تعبیر دینے سے بہت سی چیزیں اصول فقہ سے خارج ہوگئیں جیسے عمومات، اخبار احاد، قیاس واستصحاب وغیرہ۔ اگرچہ اصولیین ان کے عمل کو تسلیم کرتے بھی ہیں تو ان کے نزدیک انہیں فقہ کے ادلہ کا نام نہیں دیا جاتا بلکہ وہ اسے امارات کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک ادلہ کا اطلاق صرف قطعیات پر ہی ہوسکتا ہے۔ مگر جمہور کی بات زیادہ مناسب ہے کہ دلیل کا اطلاق ظنی اور قطعی دونوں پر ہوتا ہے۔

ابواسحاق شیرازی شافعی (متوفی ۴۷۶ھ) نے فرمایا:

"وقال اکثر المتکلمین لایستعمل الدلیل الافیما یؤدی الی العلم فاما فیما یؤدی الی الظن فلا یقال له دلیل وانما یقال له امارة وهذا خطاء لان العرب لاتفرق فی تسمیة بین مایؤدی الی العلم او الظن فلم یکن لهذا الفرق وجه" [۱۲]

(بہت سے متکلمین نے کہا کہ لفظ دلیل کا استعمال صرف اس پر ہوسکتا ہے جو علم "قطعی" کے معنی ادا کرے اور جو ظن کے معنی ادا کرے اسے دلیل نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اسے امارات کہتے ہیں۔ مگر ان کی یہ بات غلطی پرمبنی ہے کیونکہ اہل عرب علم اور ظن کے معنی دینے والی اشیاء کے ناموں میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ لہذا تفریق کی یہ توجیہہ درست نہیں ہے)

شیخ جلال الدین محلی شافعی (متوفی ۸۶۴ھ) نے فرمایا:

"ومعنی الوصول الیه بماذکر: علمه اوظنه ....شمل التعریف القطعی کالعالم لوجود الصانع والظنی کالنارلوجودالدخان" [۱۳]

(اور اس کی طرف وصول کے جو معنی علم یا ظن ذکر کئے گئے ۔۔۔۔ تعریف قطعی کو شامل ہے جیسے عالم کی صانع کے وجود پر دلالت اور ظن کو شامل ہے جیسے دھوئیں کے وجود کی آگ پر دلالت)

شیخ الاسلام زکریا انصاری شافعی (متوفی ۹۲۶ھ) نے فرمایا:

"وشمل التعریف الدلیل القطعی............والظنی" [۱۴]

(اور "الدلیل" کی تعریف قطعی وظنی دونوں کو شامل ہے)

مالک الملک ست ہر کش سر نہد　　　　بے جہان خاک صد ملکش دہد

شیخ محلاوی حنفی (متوفی چودھویں صدی ہجری) نے فرمایا:

''یکون الدلیل الشرعی عندنانوعین قطعی وھوالکتاب والسنةالمتواتر:والاجماع وظنی وھو خبرالاحادوالقیاس،،.۱۵

(ہمارے نزدیک دلیل شرعی دوقسموں پر ہے۔(اول)قطعی اوروہ کتاب اللہ،سنت متواترہ،اجماع ہیں اور(دوم)ظنی ہے جوخبراحاداورقیاس پرمشتمل ہے)

الشیخ محمدصالح العثیمین (معاصر) نے فرمایا:

''فالمراد.........''معرفة،،العلم والظن لان ادراک الاحکام الفقھیة قدیکون یقینیاوقد یکون ظنیا کمافی کثیر من مسائل الفقه،،.۱۶

(''معرفة،، سے مرادعلم وظن ہیں۔کیونکہ فقہ کے بہت سے مسائل میں کبھی احکام کاادراک یقینی ہوتا ہے اورکبھی ظنی)

قولہ''دلائل الفقہ،،:امام اسنوی نے فرمایا:

قوله:''دلائل الفقه،،ھوجمع مضاف،وھو یفید العموم فیعم الادلة المتفق علیھا والمختلف فیھا،وحینئذ فیحترزبه عن ثلاثه اشیاء ،احدھما:معرفةغیر الادلة کمعرفةالفقه ونحوه الثانی:معرفة ادلة غیر الفقه کادلة النحووالکلام الثالث : معرفةبعض ادلة الفقه کالباب الواحد من اصول الفقه ولایکون اصول الفقه ولایسمی العارف به اصولیا،لان بعض الشئی لایکون نفس الشی،،.۱۷

(''دلائل الفقہ،،جمع مضاف ہے اوروہ عموم کافائدہ دیتا ہےتو یہ متفق علیہ اورمختلف دونوں ادلہ کوعام ہوگااوراس سے تین چیزوں سے احتراز ہوجائے گا۔(اول)ادلہ کے سوا کی معرفت جیسے فقہ وغیرہ کی معرفت سے اور(دوم)یہ کہ فقہ کے علاوہ دیگرمثلانحووکلام کے ادلہ سے اور(سوم)یہ کہ بعض ادلہ کی معرفت جیسےاصول فقہ کاایک باب،سےاحترازہوگیا۔یوں وہ اصول فقہ نہیں ہےاورنہ ہی اس کے جاننے والےکواصولی کہاجائے گا۔کیونکہ کسی چیز کابعض نفس شئی نہیں ہوتا)

وقت محنت می بری زاللہ بو چونکہ محنت رفت گوئی راہ کو

معلوم ہوا کہ دلائل فقہ کی طرف جمع مضاف ہیں جو عموم کا فائدہ دیتا ہے تو اس کا معنیٰ ''**جمیع ادلة الفقه**،، ہو جائیں گے اور اس میں متفق علیہ ادلہ جیسے کتاب وسنت اور مختلف فیہ ادلہ جیسے قول صحابی اور شرائع من قبلنا شامل رہیں گے اور ان کے قول معرفۃ دلائل الفقہ کا مطلب ''**معرفة الاحوال المتعلقه بهذه الادلة**،، ہوگا مثلاً مجتہد کا یہ جاننا کہ وہ امر جو قرینہ سے خالی ہو وجوب کا فائدہ دیتا ہے اور نہی جو قرائن سے خالی ہو تحریم کا فائدہ دیتی ہے اور یہ کہ اجماع حکم قطعی ہے یا ظنی؟ وغیرہ اور اس کے بعد کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ''**معرفة دلائل الفقه**،، سے اس کا تصور مراد لے یعنی وہ یہ تصور کر لے کہ ''الکتاب،، وہ ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی اس کی تلاوت کے ساتھ عبادت کی جاتی ہے اور بشر کو اس کی مثل کلام لانے سے عاجز کر دیتی ہے اس لئے کہ ''تصورات ادلہ،، علم اصول فقہ کے مقاصد میں سے نہیں ہیں اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ادلہ کی معرفت سے مراد اس کا حفظ ہے کیوں کہ ادلہ کے حفظ کا اصول سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اصول ان پر موقوف ہیں۔

وقولہ ''اجمالا،،.................. اس بارے میں مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

قول اول............ یہ (**اجمالا**) معرفۃ کا مفعول ہے مگر یہ بات درست نہیں کیونکہ عرف متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔

قول دوم............ ''**اجمالا**،، تمیز ہے جو مضاف سے منقول ہے اور اصل عبارت یہ ہوگی۔ ''**معرفة اجمال ادلة الفقه**،، مگر یہ فساد معنیٰ پر مبنی ہے لہذا درست نہیں ہے۔

قول سوم............ ''**اجمالا**،، معرفۃ سے حال ہے مگر یہ بھی مبنی بر فساد معنی ہے وہ اس طرح کہ اصول سے مراد ادلہ کی اجمالی معرفت مراد نہیں بلکہ ادلہ اجمالیہ کی تفصیلی معرفت ہے۔

قول چہارم............ قول اصح کے مطابق یہ ادلہ سے حال واقع ہوا ہے۔

عمر بن عبداللہ نے سلم الوصول لعلم الاصول میں فرمایا:

وانما يقال: ان دلائل جمع واجمالا مفرد وهذا لا ضرر فيه، لان اجمالا مصدر يوصف به الجمع والمفرد وهو هنا بمعنى مجملة كانه قال: معرفة دلائل الفقه مجملة، ومجئ

الحال من المضاف الیه فی مثل هذاالترکیب جائز لقوله تعالی: (ملة ابراهیم حنیفا)۱۸
(اور یہ کہا جائے کہ دلائل جمع ہیں اور اجمالا مفرد تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ اجمالا مصدر ہے جو مفرد و جمع ہوتا ہے اور یہاں (اجمالا) مجمل کے معنی میں ہے گویا کہ فقہ کے مجمل دلائل کی معرفت کہا! در اس طرح کی ترکیب میں مضاف الیہ سے حال آنا جائز ہوتا ہے جس طرح کہ اللہ کا فرمان ہے (ملة ابراہیم حنیفا)
اس کی تاویل کی طرف احتیاج کی وجہ سے صاحب جمع الجوامع نے اس سے عدول کیا اور انہوں نے فرمایا:
(اصول الفقه دلائل الفقه الاجمالیة)۱۹ (اصول فقہ "فقہ" کے اجمالی دلائل ہیں)
اس میں نے انہوں نے اجمالیہ کو دلالت کا صریح وصف بنایا ہے۔
ادلہ اجمالیہ سے مراد: اس سے مراد ادلہ کلیہ ہیں ان کو "اجمالیہ" اس لئے کہتے ہیں کیونکہ ان کی تفصیل میں جائے بغیر اجمالی طور پر ان کی تعریف کی جاتی ہے۔
ادلہ کی انواع: بالعموم ادلہ کی دو انواع ہیں ادلہ کلیہ اور ادلہ جزئیہ۔
ادلہ کلیہ: یہ وہ ہیں جو کسی حکم معین پر دلالت نہیں کرتے جیسے امر و نہی مطلق۔
ادلہ جزئیہ: یہ وہ ادلہ ہیں جو حکم معین پر دلالت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالی کا قول (واقیموا الصلوة)۲۰ اور (ولا تقربوا الزنا)۲۱ جب ادلہ جزئیہ غیر محصورہ ہوں اور ادلہ کلیہ کے تحت داخل ہوں تو وہ علم اصول کے علاوہ کسی اور فن میں زیر بحث لائے جاتے ہیں کیونکہ اصول فقہ میں تو صرف ادلہ کلیہ کے احوال سے بحث کی جاتی ہے۔
امام تقی الدین السبکی شافعی (متوفی ۷۵۲ھ) نے فرمایا:
"ففی الادلة اعتباران ،الاعتبار الاول :من حیث کونها معینة،وهذه وظیفة الفقیه وهی الموصله القریبه الی الفقه ،والفقیه قدیعرفها بادلتها اذا کان اصولیا،وقد یعرفها بالتقلید ،ویتسلمها من الاصول ،ثم هو یرتب الاحکام علیها،فمعرفتها حاصلة عنده .
والاعتبار الثانی:من حیث کونها کلیة ،اعنی یعرف ذلک الکلی المندرج فیها وان لم یعرف شیئا من اجزائها،وهذه وظیفة الاصولی ،فمعلوم الاصولی الکلی،ولا معرفة

لـه بـالـجـزی مـن حیث کونه اصولیاء ومعلوم الفقیه الجزئی ولا معرفة له بالکلی ،من حیث کـونـه فقیها ،ولا معرفة له بالکلی الالکونه مندرجافی الجزئی المعلوم ،واما من حیث کـونـه کـلیـا فـلا۔فالا دلة الاجمالیة هی الکلیة،سمیت بذلک لانها تعلم من حیث الـجـمـلة لامـن حیث التـفـصـیـل ،وهـی تـوصله بالذات الی حکم اجمالی مثل کون کل مایؤمربه واجبا،وکل منهی عنه حراما ونحوذلک وهذا لایسمی فقها فی الاصطلاح ،،۲۲

(ادلہ میں دو اعتبارات ہیں پہلا اعتبار ان کے معین ہونے کی حیثیت سے ہے اور یہ فقیہ کا کام ہے اور وہ ادلہ فقہ کے قریب پہنچانے والے ہیں اور فقیہ کبھی احکام کو ادلہ سے جانے گا اگر وہ اصولی ہے اور کبھی تقلید کے ذریعے جانے گا اور ان احکام کو اصول سے اخذ کرے گا پھر وہ ان احکام کو ادلہ پر مرتب کرے گا تو ان کی معرفت اس کو حاصل ہوگی اور دوسرا اعتبار ان ادلہ کے کلی ہونے کی حیثیت سے ہے میری مراد یہ ہے کہ ان ادلہ کو کلی میں مندرج ہونے کی حیثیت سے جانے گا۔اگرچہ وہ ان کے اصول واجزاء سے واقف نہیں تھا اور یہ اصولی کا کام ہے وہ اصول کو کلی حیثیت سے جانتا ہے نہ کہ جزی حیثیت سے ،جبکہ فقیہ جزئی حیثیت سے احکام کے ادلہ کو جانے گا نہ کلی ہونے کے اعتبار سے پس اسے کلی کی معرفت صرف اس قدر ہوگی کہ وہ جزی میں مندرج ہوتے ہیں نہ کہ اس حیثیت سے کہ وہ کلی ہیں ادلہ اجمالیہ کلیہ ہیں اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ وہ اجمالی حیثیت سے جانے جاتے ہیں نہ کہ تفصیلی طور پر اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے حکم اجمالی تک پہنچاتے ہیں جیسا کہ ہر امر وجوب کے لئے اور نہی حرام کے لئے ہوتی ہے اور اس کا نام فقہ نہیں رکھا جاتا)

''اجمالا،، کی قید کا فائدہ............اس کے ذکر سے علم خلاف نکل گیا کیونکہ اس میں فقہ کے تفصیلی دلائل کی معرفت مقصود ہوتی ہے۔اس لئے نہیں کہ ان سے احکام کا استنباط ہو سکے بلکہ اس لئے کہ وہ آلہ بن سکے جس کے ذریعے وہ اپنے امام کے نقطہ نظر کا دفاع کر سکے اور اس کے بارے میں کبھی اس کے پاس کوئی مستند دلیل بھی نہیں ہوتی جس سے وہ استدلال کر سکے۔کیونکہ اگر خلاف مستند دلیل پیش کر کے استدلال کر سکے تو وہ اصولی اور مجتہدانہ حیثیت کا حامل ہو جائے گا خلافی شخص فقہی دلائل اور اس کے احوال کا محقق

نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے امام کی بات پر مضبوطی سے قائم رہ کر اس مسئلہ میں اجمالی طور پر اتنا ہی جانتا ہے کہ اس کے امام نے یہی رائے دی اور یہی حکم لگایا ہے اس کے نزدیک اثبات حکم کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے۔

قولہ ''وکیفیۃ الاستفادۃ منھا،،.......... یہ ان کے قول ''دلائل،، پر عطف ہے تو اس لحاظ سے اس کا معنی ''**معرفۃ دلائل الفقہ ومعرفۃ کیفیۃ الاستفادۃ منھا**،، ہو جائے گا اور ''**الاستفادہ**،، میں ''ال،، مضاف الیہ سے بدل (عوض) ہے اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ وہ فقہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ''**الدلیل**،، ہو، اگر مذکورہ دونوں احتمالی معنی میں سے پہلے معنی کی صورت میں احکام شرعیہ کے ادلہ سے استفادہ کی کیفیت کی معرفت مراد ہوگی اور اس میں ''**منھا**،، کی ضمیر (ادلہ) اجمالیہ کے بجائے (ادلہ) تفصیلیہ کے معنی میں ادلہ کی طرف راجع ہوگی۔ کیونکہ احکام ادلہ کلیہ سے نہیں بلکہ ادلہ تفصیلیہ سے مستفاد ہوتے ہیں اور یہاں لفظ ''ادلہ،، بمعنی اجمالیہ ہوگا اور ضمیر دوسرے معنی یعنی التفصیلیہ کی طرف لوٹے گی..........اور اگر دوسرے احتمال کے مطابق الدلیل کو مضاف الیہ مانا جائے تو اس وقت اس کا معنی ''**معرفۃ کیفیۃ استفادۃ الدلیل من الادلۃ**،، ہوگا۔

الغرض اس ساری بات کا مقصد یہ ہے کہ علم اصول میں ادلہ کے مابین تعارض اور تعارض کے وقت ان میں ترجیح زیر بحث ہو، اور احوال ادلہ اس بحث کا ہدف ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ ادلہ سے احکام شرعیہ کے استنباط تک توصل حاصل ہوتا ہے۔ اصولی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ادلہ کے مابین تعارض کا عالم ہو اور جمہور کی رائے کے مطابق یہ تعارض ادلہ قطعیہ میں نہیں پایا جاتا، بلکہ ادلہ ظنیہ میں ہوتا ہے۔ ادلہ میں تعارض کے وقت ترجیح کے مقصد کا واضح طور پر اصولی کے سامنے ہونا چاہئے تاکہ ادلہ سے احکام کے استنباط پر متمکن ہو سکے۔

ادلہ میں ترجیحات کے سات طرق ہیں۔ جن کی مدد سے ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دی جاتی ہے اور جو راوی کے حال سے متعلق ہیں وہ بیس (۲۰) ہیں۔ روایت کے وقت میں ترجیح، کیفیت رواہ میں ترجیح، خبر کے ورود کے وقت ترجیح، لفظ کے اعتبار سے ترجیح، حکم کے واسطہ سے ترجیح اور امر خارجی کے اعتبار سے ترجیح۔ اسی طرح دلائل فقہ کی معرفت اور ان سے احکام شرعیہ کا استنباط، استدلال کی شرائط کی معرفت

پر موقوف ہے۔ جیسے ظاہر پر نص کو اور احاد پر متواتر کو مقدم رکھنا۔

قولہ،،وحال المستفید،،............ یہ بھی دلائل پر معطوف ہے۔ یہاں لفظ معرفۃ مقدر رہوگا، اب معنی ہوگا۔ ''ومعرفة حال المستفيد،،۔مجتہد کو مستفید اس لئے کہا گیا کیونکہ وہ دلیل سے حکم تلاش کرتا ہے۔ قاضی بیضاوی نے تعریف میں اس عبارت (وحال المستفيد) کا اضافہ اس لئے کیا تاکہ واضح ہوسکے کہ اصول میں مجتہد کے حال اور ان شروط کا ذکر ہوتا ہے جس کا اس میں پایا جانا ضروری ہے۔

شیخ الاسلام زکریا الانصاری شافعی (متوفی ۹۲۶ھ) نے فرمایا:

''وحال مستفید ھا ای وصفات مستفید جزئیات ادلۃ الفقہ الاجمالیۃ وھوالمجتہد، لانہ یستفید ھا بالمرجحات عند تعارضھا دون المقلد،،۲۳

(اور اس کے مستفید کا حال یعنی فقہ کے اجمالی ادلہ کی جزئیات سے مستفید ہونے والے کی صفات اور وہ مجتہد ہے کیونکہ وہ مقلد کی بہ نسبت ان میں تعارض کے وقت، وجہ ترجیح جان کر ان سے مستفید ہوتا ہے)

اصولی اور مجتہد کے مابین فرق............ اس مقام پر اصولی و مجتہد کا فرق بھی جان لینا مناسب ہوگا۔ مختصر الفاظ میں فرق مندرجہ ذیل ہے:

فرق(۱) : مجتہد ادلہ تفصیلیہ اور ادلہ اجمالیہ دونوں کا عارف ہوتا ہے۔
اصولی صرف ادلہ اجمالیہ کا عارف ہوتا ہے۔

فرق(۲) : مجتہد اجتہاد کی شرائط کو جانتا ہے اور لازما ان شرائط پر پورا اترتا ہے۔
اصولی اجتہاد کی شرائط کو جانتا ہے مگر اس کا اہل نہیں۔

فرق(۳) : ہر مجتہد لازمی طور سے اصولی بھی ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر اصولی مجتہد بھی ہو۔

قاضی بیضاوی سے منقول اصول فقہ کی تعریف پر چند اعتراضات وجوابات:

امام اسنوی نے قاضی بیضاوی سے منقول اصول فقہ کی تعریف کی شرح کرنے کے بعد لکھا:

''وھذا الحد ذکرہ صاحب الحاصل فقلدہ فیہ المصنف، وفیہ نظر من وجوہ،،۲۴

(یہ تعریف صاحب الحاصل نے بیان کی، مصنف نے یہاں ان کی پیروی میں اس کو نقل کیا، اس میں کئی

قرب کے لئے اوپر یا نیچے جانا نہیں ہے، اللہ کا قرب وجود کی قید سے چھوٹنا ہے۔

وجوہ سے نظر ہے)

امام اسنوی نے پھر پانچ اعتراضات کیے، ان میں سے چند کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

اعتراض (۱)..........اصول فقہ کی مذکورہ تعریف غیر جامع ہے اس لئے کہ علم اللہ ہر شئی پر محیط ہے۔ ''الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر ،[۲۵] اور علم اصول فقہ بھی جملہ معلوم میں شامل ہے۔ مگر یہاں علم اصول فقہ کی تعریف میں ''المعرفة،، کے کلمہ سے علم اللہ خارج ہو گیا کیونکہ معرفت کا اطلاق علم پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب شئی سابق میں مجہول تھی پھر حاصل ہوئی ہو۔ امام اسنوی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اصول فقہ کا عالم ہے مگر اس کے علم کو اصول فقہ کے عالم ہونے سے موسوم نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ علم اصول مسائل اور ان کی تصدیق یا ملکہ کے لئے وضع کیا گیا ہے اور یہ سب امور حوادث ہیں۔ اس وجہ سے علم اللہ اصول فقہ کی تعریف میں داخل نہیں ہوگا اور اس سے اس کی شان کبریائی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور اللہ کا علم حضوری ہے۔

اعتراض (۲)..........قاضی بیضاوی سے منقول تعریف خطائے صرفی پر مشتمل ہے کیونکہ تعریف میں دلیل کی جمع دلائل مذکور ہے جو جمع غیر قیاسی ہے۔ اس طرح عرب سے نہیں سنا گیا اور قیاس یہ کہتا ہے کہ ''دلیل،، کی جمع ''افعلة،، کے وزن پر ہو، کیونکہ وہ اسم جنس ہے اور جب اسم جنس فعیل کے وزن پر ہو تو اس کی جمع ''فعائل،، نہیں آتی۔

اس اعتراض کے جواب میں اسنوی فرماتے ہیں:

اول: دلیل کی جمع دلائل کے وزن پر لانا درست ہے اور یہ اس قبیل سے ہے جس میں ''وصید،، کی جمع ''وصائد،، آتی ہے۔

دوم: امام شافعی جو لغت میں حجت مانے جاتے ہیں، انہوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الام،، اور ''الرسالہ،، میں کئی مواقع پر دلائل بمعنی دلیل ذکر کیا ہے۔ اس لئے مصنف کے یہاں بیان کرنے میں کوئی شئی مانع نہ تھی۔

سوم: دلیل اسم جنس نہیں بلکہ مؤنث کا علم جنس ہے اور حجت ہے اور دلیل کی دلائل کے وزن پر جمع قیاسی ہے

جیسے ''سعید،، کی جمع ''سعاد،، آتی ہے جوایک عورت کا نام ہے۔۲۶ (جاری ہے)

حواشی وحوالہ جات

۱۔المائدہ:۶

۲۔موسوعہ جمال عبدالناصر فی الفقہ الاسلامی،۱/۱۰۔۱۱،مصر قاہرہ وزارت الاوقاف ۱۳۸۱ھ

۳۔موسوعہ الفقھیہ۔۱/۱۲۔۱۳ ملخص،کویت وزارۃ الاوقاف الاسلامیہ طبع ثانی ۱۴۰۴ھ۔۱۹۸۳ء

۴۔المحصول فی علم الاصول،محمد بن عمر بن الحسین الرازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ۔۱/۱۱،بیروت دارالکتب العلمیہ ۱۴۰۸ھ۔۱۹۸۸ء

۵۔الاحکام فی اصول الاحکام،سیف الدین الآمدی ابوالحسین علی بن ابی علی شافعی متوفی ۶۳۱ھ،۱/۱۰،بیروت دارالفکر ۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۶ء

۶۔شرح العضد علی مختصر ابن الحاجب،عضد الدین عبدالرحمٰن بن احمد الایجی شافعی متوفی ۷۵۶ھ،۱/۱۸،مصر مطبعہ الکبری الامیریہ بولاق ۱۳۱۶ھ

۷۔نہایۃ السول،جمال الدین عبدالرحیم بن الحسن الاسنوی شافعی متوفی ۷۷۶ھ،۱/۲۵۔۲۳،بیروت دارالکتب العلمیہ ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۴ء

۸۔النحل:۷۸

۹۔مختار الصحاح۔محمد ابن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی متوفی ۷۶۰ھ،ص ۳۵۴ فصل الدال والذال باب اللام،مصر،مصطفیٰ البابی الحلبی سنہ ند

۱۰۔ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول۔محمد بن علی الشوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ،۱/۵۳،قاہرہ دارالکتبی سنہ ند

۱۱۔نہایۃ السول،جمال الدین عبدالرحیم بن الحسن الاسنوی شافعی متوفی ۷۷۶ھ،۱/۲۱۔۲۲،بیروت الکتب العلمیہ ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۴ء

۱۲۔کتاب اللمع۔ابواسحاق ابراہیم بن علی شیرازی شافعی متوفی ۴۷۶ھ ص ۷،مصر مکتبہ الکلیات الازہریہ طبع جدید ۱۹۸۷ء۔۱۹۸۸ء

۱۳۔شرح جلال المحلی علی جمع الجوامع۔جلال الدین محمد بن احمد المحلی الشافعی
متوفی ۸۶۴ھ،۱/ ۱۲۶۔۱۲۷،انڈیا ممبئی مطبعہ اصح المطابع سنہ ند
۱۴۔غایۃ الوصول۔شیخ الاسلام ابو یحیی زکریا الانصاری شافعی متوفی ساتویں صدی ہجری ص ۲۰،مصر مطبعہ عیسی البابی الحلبی سنہ ند
۱۵۔تسھیل الوصول الی علم الاصول۔محمد عبد الرحمٰن عبد المحلاوی حنفی چودھیوں صدی ہجری کے عالم تھے
ص ۱۸،مصر مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۴۱ھ
۱۶۔الاصول من علم الاصول۔محمد صالح العثیمین ص ۵،قاہرہ مکتبہ السنہ ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۳ء
۱۷۔نھایۃ السول۔جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن الاسنوی شافعی متوفی ۷۷۶ھ،۱/ ۲۱،بیروت
دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۴ء
۱۸۔سلم الوصول لعلم الاصول.عمر بن عبد اللہ،۱/ ۱۲،ال عمران:۹۵
۱۹۔جمع الجوامع۔تاج الدین عبد الوھاب ابن السبکی،۱/ ۳۲۔۳۳،ممبئی اصح المطابق سنہ ند
۲۰۔البقرہ:۴۳ ۲۱۔الاسراء:۳۲
۲۲۔الابھاج فی شرح المنھاج علی منھاج الوصول الی الاصول للقاضی بیضاوی۔شیخ الاسلام علی بن عبد الکافی السبکی متوفی ۷۵۲ھ،وولدہ تاج الدین عبد الوھاب بن علی السبکی متوفی ۷۷۱ھ/ ۲۲۔۲۳،بیروت
دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۴ھ۔۱۹۸۴ء
۲۳۔غایۃ الوصول۔شیخ الاسلام زکریا الانصاری شافعی متوفی ساتویں صدی ہجری ص ۴۔مصر،مطبعہ عیسی البابی الحلبی سنہ ند
۲۴۔نھایۃ السول۔جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن الاسنوی شافعی متوفی ۷۷۶ھ،۱/ ۲۴۔بیروت،
دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۴ء
۲۵۔:۱۴
۲۶۔نہایۃ السول۔امام اسنوی شافعی متوفی ۷۷۶ھ،۱/ ۲۴۔۲۵ملخص

مارمیت اذرمیت،،خواندۂ لیک جسمی درتحری ماندہ